

## تھکن

آسمان کی بلندیوں کو چھوتے سرسبز پہاڑ اور ان پہاڑوں کی بلندیوں پر ستر کی سفید چادر اوڑھے چوٹیاں، ان چوٹیوں کی کوکھ سے جنم لیتے شریانوں جیسے بل کھاتے چشمے جن میں بہتا نھرا پانی، اس پانی کو بلندیوں سے تیزی کی جانب دھکیلتی آبشاریں، ان آبشاروں کی خیرات سے بنتی جھیلیں، ان جھیلوں کے بدن سے پھوٹی ندیاں جو بل کھاتی اس زندگی کے تریاق کو لجا سے اپنے دامن میں سمیٹے ان حسین وادیوں کے بچوں بیچ اپنی منزل کی طرف رواں دواں۔ جہاں نگاہ دوڑاؤ سبزے کی دلفریب چادر اور اس چادر میں قدرت کے کروشنے سے ٹانگے درخت اور پودے، پھر ان کرشماتی بیلوں کے دامن میں ہزاروں رنگ بھکیرتے مہکتے پھول جن کی شوخی نظر کو خیرہ اور جن کا جو بن روح کو معطر کر دے۔ آسمان کی نیلی چادر میں ہمنوا ڈھونڈتے آوارہ بادل، اپنے اندر پانی کی طغیانی چھپائے کہیں برسنے کو بے تاب۔ اور ان سب معجزات کا ربط بحال رکھتی دلفریب ہوا جو چھو جائے تو جسم کھل اٹھے اور روح سنور جائے۔ اس موج حیات کے معطر، بنج بستہ اور بے چین جھونکے جو پتھروں سے

اٹھکیلیاں کرتے، پھولوں سے عطر چراتے، پانی کے سکون میں اضطراب پیدا کرتے اور سجدہ ریز گھاس کی پنکھڑیوں کو سہلاتے کسی دشا کی جانب رواں دواں۔ اوس میں بھگے لہلہاتے درختوں کے پتے جو کبھی بانسری بن جائیں تو کبھی سرگوشیاں کرنے لگیں، لیکن کمال خاموشی سے خدا کی قدرت سے بند کواڑوں کے پیچھے انسان کے تنفس کا سامان کرتے یہ انمول درتے۔ کہیں کہیں بادلوں اور زمین کا ٹھنڈا میٹھا ملاپ اور پھر ڈال ڈال پر خدا کی حمد بیان کرتے سریلے پنچھی۔ ان سب کو زندگی بخش کرنوں سے نوازتا آگ کا گولہ جس کے نور کی چادر میں ہرزہ اپنی ہی کائنات میں ایک دمکتا ستارہ اور اس جنتِ دلفریب میں نپے تلے قدموں سے اپنے آشرم کی طرف بڑھتے دو بھگشو۔

بھگشو اول: یہ دنیا کتنی حسین ہے۔ خدا کا بے مثل تحفہ ہے۔ جتنا شکر کرو، اتنا ہی کم ہے۔

بھگشو دوم: بے شک یہ اس ذاتِ باری تعالیٰ کی دین ہے۔ اس نے یہ نعمتوں کی ذنبیل ہمیں عطا کی ہے۔ جہاں اس کی قدر کرنا ہمارا فرض ہے، وہاں اس کی حفاظت کرنا بھی ہم پر لازم ہے۔

بھگشو اول: بلاشبہ ہم قدر کرتے ہیں، اور شکر کرنے کو تو ہم نے دنیا ہی تیاگ دی۔

بھگشو دوم: یہ تمہارا شعوری فیصلہ تھا۔ کیا اس پر پشیمان ہو؟

بھگشو اول: نہیں پشیمان کیوں ہوں گا۔ مجھے تو اپنے فیصلے پر فخر ہے۔

بھگشو دوئم: جس فیصلے کے صحیح ہونے کا احساس خود کو ہی بار بار کروانا پڑے اس فیصلے سے وابستہ نیت مشکوک ہو جاتی ہے۔ تم کہو کیا کوئی شک ہے جس نے عزم میں ارتعاش پنا کر رکھا ہے؟

بھگشو اول: نہیں۔ ایسی تو کوئی بات نہیں۔ ہاں کبھی کبھی سوچتا ہوں کہ ہماری تعلیمات میں شریک حیات کی پابندی کچھ زیادہ نہیں؟

بھگشو دوئم: ہم نے اپنی سوچ اور اپنا مستقبل ایک عقیدے کے نام کیا ہے۔ عہد کیا ہے کہ جسم اور روح کی تمام تر توانائیوں کو حق کی تلاش میں صرف کریں گے اور اپنی طبعی زندگی کی زنجیروں کو توڑ کر وحدانیت کے وجدان میں گم ہو جائیں گے، تاکہ اپنے ضمیر اور نفس کو جان سکیں اور روح اور شریر کا فرق پہچان سکیں۔ جب معاملہ اپنی ذات کی کھوج کا ہے تو شراکت کیسی۔ شراکت داری میں تو ہر چیز کا بٹوارہ ہو جاتا ہے جبکہ ہمیں تو بلا شراکتِ غیرے ایک رب سے لو لگانی ہے۔

بھگشو اول: ٹھیک کہتے ہو۔ لیکن ہر جاندار کی طرح یہ ہماری فطرت ہے۔ ہمارے جسم کی بناوٹ اس ضرورت کی داعی ہے۔ پھر اس کی تمنا کرنا غلط کیسے ہو گیا۔

بھگشو دوئم: غلط۔ کس نے کہا کہ غلط ہے۔ یہ تو نسلِ انسانی کی بقا کی واحد کنجی ہے۔ تم بالکل صحیح کہہ رہے ہو کہ ہماری فطرت ہے اور شاید بھوک کے بعد سب سے بڑی ضرورت بھی۔ ایک پورا نظام ہے جو اندر پنا ہے۔ اس کی کیمیائی

خصلتوں سے کون انکار کر سکتا ہے۔ فطرت کی ایسی اتھاہ ضرورت کو تیاگ دینا ہی تو پارسائی ہے۔ سمجھو کہ اس کا روزہ رکھ لیا۔

بھگشو اول: کہنا آسان ہے۔

بھگشو دوم: بے شک۔ کرنا بہت مشکل ہے۔ تبھی تو یہ حلیہ بنائے پھرتے ہیں۔ جن روایتوں پر دنیا کا نظام چلتا ہے جیسے اولاد، خاندان، دھن دولت، شہرت، کامیابی وغیرہ، ہم تو ان سب کو بھلائے پھرتے ہیں۔ جب ہم نے ان سب سے دوری کا عہد کر ہی لیا ہے تو پھر فطرت کے اس گرداب سے بھی نبرد آزما ہو ہی جائیں گے۔

بھگشو اول: وہ سب تو ٹھیک ہے۔ لیکن سوچ کی باگیں کون کھینچے۔ تخیل کو لگام کون دے۔

بھگشو دوم: یہی بات تو سمجھنے کی ہے۔ ہمارے ذہن کو تو جیسے طبعی دنیا میں زیادہ وقت صرف کرنا بھاتا ہی نہیں۔ آوارہ پھرتا ہے۔ کبھی سوچ کی ناؤ میں سوار تو کبھی خوابوں کے جزیروں میں بھٹکتا ہے۔ کبھی تخیل کے براق پر بیٹھ کر کائنات سے بھی آگے صدیوں کا سفر آنکھ جھپکتے طے کر لیتا ہے اور کبھی ایک انتہائی معمولی سے خیال کو بروئے کار لا کر دنیا کی تاریخ بدل دیتا ہے۔ دنیا کے طول و عرض ہوں گے، ذہن ان سب بندشوں سے آزاد ہے اور اس کی یہی آوارگی ہمیں اشرف المخلوقات بناتی ہے۔

بھگشو اول: تو پھر اس آوارگی پر قدغن کیوں لگاتے ہیں؟  
 بھگشو دوم: قدغن نہیں لگائی۔ صرف راہ کا تعین چاہتے ہیں تاکہ وہ برائی کی طرف نہ  
 بھٹک جائے۔

بھگشو اول: برائی کی تشریح تو ہر ایک کی اپنی ہوتی ہے۔  
 بھگشو دوم: اسی لیے تو اصول بنائے جاتے ہیں۔ شوق سے بھٹکے۔ تخیل کے آسمان  
 میں اڑتا پھرے لیکن ڈور تمہارے ہاتھ میں رہے۔ جب بھی لوٹے واپس  
 اپنے اصل کی طرف لوٹے۔

بھگشو اول: یعنی تمہارا مطلب ہے کہ حق کی تلاش میں نفس کو مار دو، سوچوں پر پہرے  
 بٹھا دو، تنہائی سے دل لگا لو اور زندگی سے کنارہ کش ہو جاؤ۔

بھگشو دوم: ایسا تو نہیں کہا میں نے۔ کائنات کا نظام ہو یا زندگی کا صرف توازن کے  
 ساتھ ہی چل سکتا ہے۔ کسی بھی جانب جھکاؤ زیادہ ہو تو توازن برقرار نہیں  
 رہتا۔ سوچ بدلنی ہو تو وقت لگتا ہے اور داعی کو پہلے خود اس سوچ کی تصویر بننا  
 پڑتا ہے۔ تمہیں کیا لگتا ہے کہ لوگ نصیحتوں اور دوسروں کے تجربات سے سبق  
 کیوں نہیں سیکھتے؟

بھگشو اول: سیدھی سی بات ہے۔ انہیں یا تو نصیحت کرنے والے پر یقین نہیں یا وہ  
 سیکھنا ہی نہیں چاہتے۔

بھگشو دوم: تم بھی صحیح کہتے ہو۔ زندگیوں لگ جاتی ہیں قابل تقلید بنتے اور پھر بھی کچھ

خمر رہ جاتا ہے۔ کہنے والا کہتا ہے کہ میں نے زندگی کے اس مرحلے سے گزر کر یہ سیکھا۔ اب تم میری غلطی مت دہرانا۔ سننے والا سوچتا ہے کہ جس کے فہم نے اس لمحے کی نزاکت کو بھی نہ بھانپا وہ مجھے کیا تلقین کرے گا۔ اس کا اپنی فہم فراست پر یہ غرور اسے دوسروں سے سیکھنے نہیں دیتا، یہاں تک کہ وہ وہی غلطی دہراتا ہے اور پھر بے معنی تلقین کرتا پھرتا ہے۔

بھگشو اول: مجھے تو بس تارک دنیا ہونے میں ہی آفیت نظر آتی ہے۔ نہ کچھ دکھے گا، نہ تمنا ہوگی۔

بھگشو دوم: دنیا سے نہیں، اپنے نفس کی غلامی سے آزادی ہمارا فلسفہ ہے۔ جب تک سانس چلتی ہے نہ تو لمس کے احساس کو ختم کر سکتے ہو، نہ حواسِ خمسہ کے طوفان پر بند باندھ سکتے ہو اور نہ ہی دل کے دھڑکنے پر پابندی لگا سکتے ہو۔ ہاں محنت، استغراق اور دل جمعی سے ان کے لیے راہ متعین کر سکتے ہو۔ اپنی سوچ پر پہرے بٹھانے کی بجائے اسے مثبت راہ پر گامزن کر سکتے ہو۔

بھگشو اول: سب باتیں ہیں۔



اب ان کا راستہ ندی کے بالکل ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ ندی گہری تھی اور دوسرے کنارے پر جانے کے لیے جو پل تھا وہ پچھلی طغیانی میں ٹوٹ گیا تھا۔ ہاں جنگل کی طرف سے ایک راستہ تھا جس سے کبھی کبھی کوئی بھولا بھٹکا ندی کے اس طرف

آجاتا۔ یہ جنگل شام کے بعد سے جنگلی حیات کی وجہ سے محفوظ نہ رہتا۔ اس لیے لوگ وہ رستہ لینے سے گریز کرتے۔ دونوں بھگشو آب خاموشی سے اپنے آشرم کی طرف بڑھ رہے تھے۔ اچانک انہیں ذرا فاصلے پر ندی کنارے ایک عورت کھڑی نظر آئی۔ دونوں نے آنکھیں جھکا لیں اور چلتے رہے یہاں تک کہ اس عورت کو کچھ پیچھے چھوڑ آئے۔ پھر انہیں اپنے پیچھے آہٹ سنائی دی۔ دونوں نے مڑ کر دیکھا تو وہ عورت ان کے سامنے کھڑی تھی۔ وہ دھیمی اور روہانسی آواز میں بولی کہ وہ ندی کے پار والے گاؤں میں رہتی تھی اور راستہ بھول کر اس طرف آنکلی تھی۔ اسے جنگل کے راستے سے ڈر لگتا تھا۔ وہ چاہتی تھی کہ دونوں نوجوانوں میں سے کوئی اسے ندی کے پار پہنچا دے۔

بھگشو اول تو بدک کر پیچھے ہو گیا اور منہ ہی منہ میں کچھ پڑھنے لگا۔ بھگشو دوم نے اس عورت کو اپنے ہاتھوں میں اٹھایا اور ندی کی طغیانی سے لڑتے ہوئے دوسرے پار اتار کر خود واپس لوٹ آیا۔ دونوں بھگشو پھر آشرم کی طرف روانہ ہوئے جو اب قریب ہی تھا۔



بھگشو اول: کمال انسان ہوتم۔ یہ ہے تمہارا ایمان، تمہارا عقیدہ، تمہارا فلسفہ۔ مجھے جو سبق دے رہے تھے، میں کیسے مانوں۔ میں نے تو تمہاری سوچ کا اصل پرتو اور تمہاری اوقات اپنی آنکھوں سے دیکھ لی۔

بھگشو دوئم: تمہیں سمجھنے میں وقت لگے گا۔ تم تھک گئے ہو۔ تھوڑی دیر بیٹھ جاؤ۔  
آرام کر لو۔

بھگشو اول: یہ بھی خوب کہی۔ میں کیسے تھک گیا ہوں۔ تم سے جواب نہیں بن رہا تو  
بات بدلنے کی کوشش کر رہے ہو۔ خیر تمہارا ایمان، تمہاری سوچ۔ جہنم تو تم نے  
خرید ہی لی۔

کچھ دیر خاموشی رہی۔ وہ چلتے رہے۔ اب انہیں آشرم کچھ فاصلے پر نظر  
آنے لگا۔

بھگشو اول: مجھے سمجھاؤ کہ جب ہمارے عقیدے کی رو سے عورت کا لمس جائز نہیں تو  
تم نے اس کو کیسے ہاتھ لگایا۔ کیا تم پلید نہیں ہو گئے؟ کیا تمہاری ساری تپسیا  
نارت نہیں ہو گئی۔ اب تم آشرم میں کس منہ سے جاؤ گے؟ اپنے ضمیر کو اس  
فعل بد کے داغ سے کیسے پاک کرو گے؟

بھگشو دوئم: تم بہت تھک گئے ہو۔ تھوڑی دیر بیٹھ جاؤ، آرام کر لو۔

بھگشو اول: یہ تو حد ہی ہو گئی۔ خود کو تو شرم آ نہیں رہی اور مجھے آرام کرنے کا کہہ رہے  
ہو۔ جنس ممنوعہ کو چھو تم نے، لمس کی لذت سے تم محفوظ ہوئے، پھرتی ندی  
سے لڑ کر دوسرے کنارہ پر تم اسے اتار کر آئے اور میرے ساتھ ساتھ کب سے  
چل رہے ہو۔ اس سب کے بعد تھک میں گیا ہوں۔ یہ کیسا مذاق ہے؟

بھگشو دوئم: میں نے اُس عورت کو اٹھایا، ندی پار کروائی اور واپس آ گیا۔ تم نے اس



عورت کو ہمارے سفر کے آغاز سے سر پر بٹھا رکھا ہے اور اتارنے کو تیار نہیں  
ہو۔ اسی لیے کہہ رہا ہوں کہ اس بے حاصل مشقت سے تم بہت تھک گئے ہو،  
بیٹھ جاؤ اور آرام کر لو۔

